بخشش اردو

★ پروفیسر مرغوب بانہالی

کلامِ حضرتِ صرفیؒ کے چند سماجی محرکات اور فکری تناظرات

حضرات و خواتین! یوں تو کشمیر کی تاریخ فارسی ادبیات میں یہاں کے مشہور سلطان قطب الدین شہمیری سے لے کر شہنشاہ اکبر کے معنوی پیشرو سلطان زین العابدین بڈشاہ تک اور بعض چک سلاطین کے عہد تک بھی فارسی میں طبع آزمائی کرنے والے کئی کشمیری شاعروں کے نام نظر آتے ہیں لیکن اُن سب کے معیارِ کلام پر نظر ڈال کر مقامی شاعروں میں پہلے بڑے فارسی شاعر کا درجہ یہاں حضرت صرفی کو ہی دینا پڑتا ہے۔ آپ میں سے بیشتر احباب یہ بات بھی بخوبی جانتے ہونگے کہ فلک بوس اور برف پوش پہاڑوں کی چار دیواری میں گرا ہوا سرسبز خطہ کشمیر زمانۂ قدیم سے ہی مختلف انقلابات کی رو سے ایک ایسا جام جہاں نما ثابت ہوگیا ہے جس نے اپنے یہاں کا سب سے بڑا سماجی اور اخلاقی انقلاب، محض اسلامی اور صوفیانہ تعلیمات کی برکت سے بپا کر کے دکھایا ہے گویا بغیر کسی شمشیر یا جبر و زیادتی کے بحیثیت ایک علم دوست علاقہ اس خطے نے ہر دور کی تند و تیز ہواؤں میں بھی علمی فیوض و برکات اور انسانی اقدار کی قندیلوں کو روشن رکھا ہے۔ اِس خطۂ جنت نظیر میں رہنے والے سخت جان اور زود حس لوگوں نے حالات سے مجبور ہو کر اپنی قدیم و عظیم مادری زبان کی قیمت پر بھی یہاں درآمد ہو جانے والی ہر فیض رسان زبان میں تخلیقی عمل اختیار کرنے اور اپنا ذوقِ جمال پروان چڑھانے کی ناقابل باور کرامتیں دکھائی ہیں۔ دراصل فطری مناظر کے اس شاہکار خطے نے اپنے مکینوں کو مختلف ثقافتی انقلابوں کے دوران پنپنے والی آسمانی اور زمینی آفتوں سے آنکھیں ملانے کا وہ خاص شعور اور شعار بھی سکھایا ہے جو ہر صبر آزما ہتھکنڈے کا مذاق بڑی

خندہ پیشانی سے اڑا کر یہ کہنے کے رویے سے عبارت رہا ہے کہ ؎

وہ کونسا ستم ہے جو تڑپا نہ دوست نے
ہم سے سلوک کیا نہ ہوا؛ پھر بھی ہم جیئے (رسا جاودانی)

واقعتاً کشمیریوں نے انتہائی بے سروسامانی اور آپسی انتشار و خلفشار کے دنوں میں بھی اپنے وطن عزیز کے تئیں حق وابستگی ادا کرنے کا ثبوت بڑے حیرت انگیز ڈھنگ سے دیا ہے اور واقعتاً بحیثیتِ قوم ساکنانِ کشمیر کے لیے حضرتِ صرفی کا عرصۂ حیات (جو ۹۲۸ھ/۱۵۲۱ء سے ۱۰۰۳ھ/۱۵۹۴ء تک محیط رہا ہے) بھی کئی طرح کی داخلی و خارجی صبر آزما تہذیبی یلغاروں کا پُرآشوب زمانہ بن گیا تھا۔ خاص طور پر مغلِ اعظم شہنشاہ اکبر کے دینِ الٰہی اور عزائم پر چم کشائی کے تناظر میں۔ لیکن خودشناسی اور خداشناسی سے آراستہ بیشتر کشمیری دانشور اخلاقی تنزل کو نزدیک نہ آنے دے کر اُس پُرآشوب دور میں بھی اس بات کا ثبوت بہم پہنچاتے رہے کہ ؎

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم

چنانچہ ذہین و حسین کشمیریوں کے خاص نمایندہ ثقافت اور نابغۂ عصر حضرت شیخ یعقوب صرفی اور اُن کے ہم پلہ و ہم قامت علامہ بابا داؤد خاکی جیسے فاضلوں کی خداداد صلاحیت عربی اور فارسی کی زلف برگشتہ سنوارنے کی ایسی مشاطہ گی پیش کرتے ہیں کہ مغل دربار کے نورتنوں میں خاص مقام رکھنے والے دینِ الٰہی کے موجد یعنی شیخ مبارک کے فرزندانِ ارجمند ملک الشعرا فیضی اور ابوالفضل بھی محوِ حیرت رہ جاتے ہیں۔ یہی حال اُس وقت ولایت کا درجہ رکھنے والے ترکستان میں شامل سمرقند و بخارا یعنی موجودہ وسط ایشیائی ازبکستان اور تاجکستان کے بعض ممتاز علما کا بھی ہوا۔ جن کے ہاں صرفی نے "ایشان" یا اُستادِ محترم کہلانے کا امتیازی شناختنامہ حاصل کر لیا۔ جس طرح آپ جلد ہی دلی کے علم پرور دربار میں جامع الکمالات قرار دئے جانے کا اعزاز پاتے ہیں۔ یوں بیرونِ کشمیر چمک اٹھنے سے یہ تاریخی سچائی بھی آپ کی کثیر الجہات شخصیت عملاً علامہ اقبال سے چار سو سال پہلے روشن تر بنا لیتی ہے کہ ؎

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

گویا ؏ خدا شرے برانگیزد کہ در آں خیر ما باشد ۔ چنانچہ کشمیر کے دو کلمہ خوان بھائیوں یعنی سُنیوں اور شیعوں کو آپسی سر پھٹول میں مبتلا کرنے والے شر پسند عناصر سے بیزار ہو کر حضرت صرفی وطن عزیز چھوڑنے کو اور علماء دھر سے تبادلہ فضایل کرنے کو اپنا غم غلط کرنے کا بہترین علاج سمجھتے ہیں ۔ بمصداق ؏ جو غم ہوا اسے غم جاناں بنا دیا ۔ پہلے مرحلہ پر صرفی اس مقصد کے تحت طالب علمانہ جہاں گردی اختیار کر کے پنجاب، دہلی، آگرہ، اجمیر، لاہور اور احمد آباد (گجرات) دوسرے مرحلے پر مُربیانہ جستجو کے تحت وہ فراکول، یارقند، سبزوار، خوارزم، بلخ، بخارا، سمرقند، طوس، مشہد اور قزوین اور تیسرے مرحلے پر توشۂ آخرت میں اضافہ کرنے کی غرض سے حرمین مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن، شام اور بغداد میں بہت سا وقت گذارتے ہیں۔ ان تینوں لمبے سفروں کے دوران اپنے وطن عزیز کا نام روشن کرنے کے جذبے سے سرشار ہو کر وہ کشمیر سے دل ہی دل میں ہمکلام ہوتے رہے نہ صرف مرزا غالب کے ایسے الفاظ میں کہ ؎

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

بلکہ عبوری دور میں وہ ذہین کشمیریوں کی ترجیحات بدل جانے کے تناظر میں حرف شکایت زبان پر لانے پر بھی مجبور ہوتے رہے یوں ؎

ہنر داری اگر صرفی تو از کشمیر بیروں آ
درین قریہ ہنر عیب است عیب آمد ہنر اینجا

نہ معلوم حضرت صرفی کے کتنے ہم عصر کشمیر سے نکل کر مختلف اونچائیوں کو چھو لینے کے بعد کشمیر سے باہر ہی رہائش پذیر ہو گئے ہوں لیکن مولانا صرفی کے تجویز کردہ نسخے کی اہمیت و افادیت آج تک اپنی سچائی منوا رہی ہے ۔ چنانچہ محدود وطنیت کی چار دیواری سے نکلنے والے کشمیری بیسویں صدی میں بھی مختلف شعبہ ہای زندگی میں علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ اقبال اور پنڈت جواہر لال نہرو بن کر پورے عالم سے دادِ تحسین حاصل کر سکے ہیں

مولانا صرفی کی بلند مرتبہ فارسی شاعری کے پس منظر میں کئی سیاسی واقعات وسانحات خاص دعوت فکر دیتے ہیں۔ چنانچہ ۱۵۸۶ء کے دوران جب مغل اعظم نے اُس وقت تک ملک کشمیر نام سے مشہور عالم رہے ہوئے للتادتیہ اور شہاب الدین کے اِس وطن کو بطور ایک عیش گاہ شہزادگان اپنی وسیع قلمرو کا حصہ بنالیا اور صرفی کے عرصۂ حیات میں ہی مغل شہنشاہ اکبر دو بار ۱۵۸۹ء اور ۱۵۹۲ء میں بڑے لاؤ ولشکر اور وزراء سمیت کشمیر نوردی کرتے آگیا۔ تو کشمیر کے غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ ساتھ سنی وشیعہ اکابرین کشمیر بھی نہایت حیرت سے نئے چشم کشا منظر ناموں کو دیکھتے ہی رہ گئے۔ جناب صرفی کی مومنانہ فراست انہیں دیکھ کر صرف آتنا گنگناتی رہی کہ ع خود کردہ را علاجے نیست۔ البتہ ۹۹۳ ہجری کے دوران مکمل کی گئی ۴۰۵۳ اشعار پر مشتمل اپنی پہلی مثنوی میں وہ مولانا رومی، شیخ سعدی اور امیر خسرو کے ملے جلے اثرات فصاحت ونکتہ سنجی قبول کر کے اپنے ہر ہم وطن کی دلجوئی بڑے مشفقانہ ڈھنگ سے کرتے دکھائی دیتے ہیں مثلاً جب وہ اپنے پنج گنج میں شامل اس مثنوی کے ہر مخاطب اول سے کنایتاً گویا ہوجاتے ہیں وہ بھی اپنے وطن کی تقدیر معلق سے متعلق آفاقی رموز بیان کرتے ہوئے یوں کہ ؎

گر ز قضا شکوہ کنی دردہر
مشہد نیابی تو بجائے زہر
ہرچہ بتو کلک قضا زد رقم
از گلہ ہایت نشود بیش وکم

رومی اور سعدی جیسے فارسی اساتذہ کی طرح معمار اخلاق اور ترجمان صبر واستقلال بننے کی سعی کرنے والے صرفی اپنے مثنوی پوتے غنی کشمیری سے تقریباً ساٹھ سال پہلے صبر کی ویسی ہی تلقین کرتے محسوس ہوتے ہیں جو اُس نے بعد صرفی ان الفاظ میں کی ہے کہ ؎

ہر کہ پابند وطن شد می کشد آزارہا
پائے گل اندر چمن دائم پراست از خارہا

چنانچہ صرفی ایک دو دہائیوں سے دو کلمہ خواں بھائیوں کو دست وگریباں رکھنے کے لیے ریشہ دوانیوں

میں مصروف شرپسند سماجی عناصر کی طرف بڑے بلیغ اشارے کر کے کشمیریوں کو سچے دل سے باہم شیر و شکر بن جانے کا درس شفقت دیتے ہیں وہ انہیں مشترکہ جہد بقا کے لیے دلوں کو نفرتوں اور کدورتوں سے پاک رکھنے کی تلقین خود کلامی کی صورت میں اپنی مسلک الاخیار مثنوی کے اندر یوں کرتے ہیں۔ ؎

صرفی اگر نیست دلت باخدا
ہیچ نماز تو نگردد روا
کار نیکو کن و حق اندیش باش
باخبر از ذاکری خویش باش
محنت و رنجی کہ رسد از قضا
کار موحد نبود جز رضا

صرف ایک اللہ کو حاجت روا جان کر راضی برضا رہنے کو توحید کی اصل اور موحد کی صفت خاص قرار دینے والے علامہ صرفی کے لیے قدر مشترک والے غنی کشمیری کو اُس کا معنوی پوتا ویسی ہی انسانی درد مندی کی بنیاد پر قرار دیا گیا ہے جس کی رو سے اردو دنیا میں یہ مقولہ مشہور ہے اگر سر سید نہ ہوتے اور اگر مولانا حالی نہ ہوتے تو اقبال بھی نہ ہوتے۔ واقعاً مغل دور کے سرکردہ کشمیری شعرائے فارسی کے حوالے سے یہ مقولہ بھی اتنا ہی جاندار اور پہلو دار لگتا ہے کہ اگر مولانا صرفی نہ ہوتے تو کشیر اشعارِ آبدار اور دبستان المذاہب تصنیف کرنے والے وسیع المشرب ملا محسن فانی بھی نہ ہوتے اور اگر فانی نہ ہوتے تو علامہ صرفی کے جوہر شاعری کو مزید آبدار بنانے والے غنی بھی نہ ہوتے، کشمیری زبان کے شبلی عبدالاحد آزاد کے اُس خراج تحسین میں علم و فضل صرفی کے اعتبار سے ترتیب بدلنے کی گنجایش ہے یعنی پیشرو کلہن اور ارادت مند غنی سے کہیں زیادہ علمی سر بلندی رکھنے والے صرفی کا نام آزاد موصوف کے شعر میں اولیت پر رکھنے کے لائق ہے تینوں کے تئیں آزاد موصوف کا مشترکہ فکر انگیز خراج عقیدت ان کشمیری الفاظ پر مشتمل ہے ؎

کلہن غنی تہٕ صرفی سیراب کری ییمہ آبن
سی آب سانہٕ باپتھ زہر ہلال آسیا!

منجملہ اور معاملاتِ زندگی پر اظہارِ خیال کرنے کے مسلک الاخیار میں صرفی اپنے فن شعر کے حوالے سے بھی لفظ و معانی کی نفاست کو بنیادی اہمیت دیتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں ؎

گر بسخن لفظ نباشد فصیح
کی بود آن نزدِ سخندان صحیح

صرفی شعر کے لیے شگفتہ بحر کا انتخاب کرنے یا نہ کرنے کو بھی شاعر کا تخلیقی عمل گراں بہا یا بے قیمت بنانے کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں ؎

بحر را سرچشمۂ دفتر بدان
گشتہ از چشمہ است دریا روان
بحر ہماں است کہ رقص آید بشعر
صد گہرِ ناب نماید بہ شعر
خوش بحر شعر است دُر شاہوار
ورنہ بسخن ہمچو خزف ریزہ خوار

اپنے پنج گنج میں شامل دوسری تیسری اور چوتھی مثنوی میں مولانا صرفی بالترتیب مولانا جامی، نظامی گنجوی اور امیر خسرو کی متعلقہ بحروں میں کہی گئی مثنویوں کا تسلسل اور توسیع محسوس کراتے ہیں۔ صرفی کی دوسری مثنوی کا نام عرب سرزمین سے تعلق رکھنے والے عاشق اور معشوق کے حوالے سے وامق و غدرا ہے نسبتاً کمزور قسم کی عشقیہ داستان کی حامل یہ مثنوی صرفی کی چند روحانی وابستگیوں پر خوب روشنی ڈالتی ہے خصوصاً عشقِ رسولِ محترم اور احسانات اولیائے کرام مثلاً محسن کشمیر یعنی کثیر نواز عظیم شخصیت کے مالک حضرت میر سید علی ہمدانی کے احسانات اور صرفی کے خاص مرشد جناب شیخ حسین خوارزمی کے احسانات کنایتاً و بداہتاً نشاندہی میں لائے گئے ہیں۔ صرفی یہ انکشاف کرتے ہیں کہ جوہر عشق ہر ذی روح میں اُس کے ظرف کی مناسبت سے سرایت کرتا ہے اور عشق کی بدولت ہی ایک آدمزاد انسانیت کے درجے کو پہنچتا ہے۔ مولانا صرفی اس مثنوی کو ان الفاظ تشکر پر ختم کرتے ہیں ؎

بحمداللہ کہ یا این گنج ثانی
دو گنجم آمد از نقد معانی
بحمداللہ کہ شد نامہ مرتب
بہ ترتیبِ خوشش و طرزِ مہذب
شدہ فضلِ خدا بامن موافق
بشرحِ قصۂ عذرا و وامق

مولانا صرفی کی تیسری مثنوی لیلیٰ و مجنوں ہے۔ اس موضوع پر مثنویاں لکھنے والے پیشرو اساتذہ کا نام وہ یوں لیتے ہیں ؎

ہم خسرو گفت و ہم نظامی
ہم زبدۂ اہل حال جامی
این قصکہ بثنوی مکرر ہر بار دھد رواج دیگر
زنہار باھلِ بغض منشین
از صحبتِ شان کنارہ بگزین

دلوں سے بغض اور کینہ دور کرنے کا مشورہ عام انسانوں خصوصاً ہم وطنوں کو دینے والے صرفی متحدہ جہد بقا سے متعلق اسرار بھی انہیں گوش گذار کرتے ہیں وہ بھی مولانا رومی کا یہ مشورہ ملحوظ رکھنے کے روا دار نظر آتے ہیں کہ ؎

خوشتر آن باشد کہ سر دلبران
گفتہ آید در حدیثِ دیگران

مولانا صرفی ذیلی عنوانات کی تقسیم کاری اور ڈرامائیت کی تزئین کاری کے باوجود اس مثنوی میں پیشرو اساتذہ کا جیسا کمال نہ دکھا سکے ہیں۔ مولانا صرفی کی چوتھی مثنوی اسم با مسمیٰ مغازی النبی یعنی غزواتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حسین آئینہ داری پر مبنی ہے۔ اس مثنوی میں محاکات اور منظر کشی کرتے ہوئے خصوصی تقدیس و تحریم کا پورا خیال رکھا گیا ہے اور غزواتِ تقدیر ساز کے علاوہ محسن انسانیت

انسانیت نواز سیرتِ طیبہ کے بہت سے ذیلی موضوعات پر بھی اظہار خیال کیا گیا ہے۔ مولانا صرفی جہاد کی دو قسموں کو غزوہ اور سریہ کہہ کر نشاندہی میں لاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس میں آنحضورؐ بذات خود شریک رہے وہ غزوہ کہلاتا ہے البتہ جو اُن کے حکم سے بروئے کار آیا اور آپؐ اس میں خود شامل نہ ہوئے اس کو سریہ کہا جاتا ہے۔ نیز مسلمان کا ہر جہاد مدافعت ننگ و ناموس کے لیے بلکہ حفاظت جان و ایمان کے لیے مخصوص ہونے کے باوجود آخری دم تک صبر اور وقارِ دینی ملحوظ رکھنے کا پابند ہونا چاہیئے۔ بہ الفاظ صرفی ؎

بفرمود کای دوستان در قتال
بہ تعجیل خوش نیست کردن جدال
وقاری بورزید روزِ نبرد
نباید بہ پیکار تعجیل کرد
چو نزدیک تر خصم خواہد رسید
بہ تیر و کمان دست باید کشید

اس مثنوی میں چیدہ بصیرت افروز احادیث نبوی کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ مثلاً مومنانہ فراست کا عملی ثبوت یہ ہے کہ آزمودہ اور شاطر دشمن کی چوڑی چپٹی باتوں میں مومن ہرگز نہیں آتا یعنی اُس کو ایک ہی بل سے سانپ یا بچھو دوبار ہرگز کاٹ نہیں سکتا ہے۔ اس مومنانہ حزم و احتیاط کی ترجمانی صرفی یوں کرتے ہیں۔

مشہ انبیاءؐ گفت مومن دوبار
گزیدہ نگردد ز سوراخ مار
بود حاصلِ معنیٔ این حدیث
کہ مومن بود پُر حذر زان خبیث
ترا چون رسد از کسی کلفتی
نگیری باو بعد ازاں الفتی

اس چوتھی مثنوی میں مولانا صرفی کلمہ خوانوں کو سیرتِ رسول اکرمؐ سے اکتساب فیض کر کے اپنی اور اپنی اولاد کی کردار سازی پر متوجہ ہونے کی تنبیہ کرتے ہیں مثلاً ذاتی عقیدہ اور عمل کے حوالے سے یہ کہتے ہوئے جیسے وہ علامہ اقبال سے تقریباً چار سو سال پہلے وہی کچھ کہہ چکے ہوں جو اقبال یوں کہتے ہیں ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

یا یوں کہ ؎

گر دلم آئینہ بے جوہر است
ور بجز غم غیر قرآں مضمر است
روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا

اب اسی مفہوم کے حامل درد و سوز میں ڈوبے ہوئے صرفی کے اشعار خود کلامی دیکھئے :۔

غلامِ محمد رسول اللہ ام
در اقلیم اخلاص شاہنشاہ ام
اگر جز ہوا ایش بود در سرم
ہمہ خاک نکبت سزد بر سرم
ز طوقش تہی گر بود گردنم
سزاوار صد طوقِ لعنت منم

مولانا صرفی کے پنج گنج میں شامل پانچویں اور آخری مثنوی مقاماتِ مرشد ہے۔ دوسرے سلسلوں کے علاوہ کبروی سلسلہ کے ساتھ اپنی خاص وابستگی کا احساس دلانے کے علاوہ اس مثنوی میں علامہ صرفی اپنے صوفیانہ میلانات کی آبیاری کرتے ہیں مرشد شیخ حسین خوارزمی کا خاص ذکر انکی سوانح بیان کی صورت میں کرتے ہیں۔ البتہ ضمناً مختلف مقاماتِ تصوف اور تقاضا کے سلوک کا حسین تعین بھی کرتے ہیں یہ مثنوی موصوف کی دیگر مثنویوں کی نسبت بہت سلیس و رواں ہے

گویا سہل ممتنع والے اسلوب نے اس مثنوی کے مفاہیم کو بہت سہل الفہم بنا دیا ہے۔

مولانا صرفی کے دیوانِ غزلیات میں درد و سوز بانٹنے والے اشعار کی کمی نہیں مثلاً ہر دور کے اہل اقتدار کے تئیں منسوب ہو سکنے والے ایسے اشعار ؎

گر درین شہرم نماند دلِ بجا عیبم مکن
دل رُبایان بین بہر جائب خراماں فوج فوج
تابتِ من رہزنِ دینِ مسلمانی شدہ
رو سوی بُت خانہ آوردہ مسلمان فوج فوج

کلام صرفی میں شامل ایک اخلاق آموز رباعی کو اپنے اس مختصر مقالے کا اختتامیہ بنانے سے پہلے میں اس بات پر دلی مسرت اور طمانیت ظاہر کرنا چاہوں گا کہ میرے ایک اہل تشیع شاگرد رشید پروفیسر غلام رسول جان صاحب نے اتحاد بین المومنین کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر ۳۷۶ صفحات پر مشتمل جو تحقیقی اور تنقیدی کتاب ۱۹۹۵ء میں جامع الکمالات حضرت الیشاں شیخ یعقوب صرفی کی شخصیت اور فن کے عنوان سے کثیر لاگت لگا کر منظر عام پر لائی ہے وہ ہر لحاظ سے قابل مبارک بادی ہے۔ البتہ کشمیر شناسی کے بعض بالغ نظر قاری اب اس اہم کتاب کی عدم دستیابی سے دچار ہو گئے ہیں اس لیے میں اپنی طرف سے پروفیسر جان کو پھر ایک بار سر محفل حرف تبریک پیش کر کے اس کتاب کو دوبارہ چھاپنے کی تاکید کروں گا۔

آخر پر حضرت صرفی کی خواجہ عبداللہ علیہ رحمۃ المعروف پیر ہرات کے حوالے سے لکھی گئی وہ موعود رُباعی درج کر کے رخصت چاہوں گا جس کا طنزیہ مفہوم پانی پر کراماتی نمائش کے تحت چلنے کا دعویٰ کرنے والے کو گھاس کا ایک تنکا اور ہوا میں چلنے کی ڈینگیں مارنے والے کو ایک مکھی قرار دیتا ہے اور جو خدمت خلق اللہ کو افضل العبادت قرار دیکر انسانوں کی دل جوئی کی دعوت عام یوں دیتا ہے ؎

بشنو این نکتہ را از پیر ہرات — کہ بر آب اگر روی خسی باشی
مگسی بر ہوا اگر بپری — دل بدست آر تا کسی باشی

— ★ —